امتِ مسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک
(سیرت طیبہؐ سے رہنمائی)

ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر *

ا۔ فکری وتہذیبی مسائل

حق و باطل کے مابین عروج وزوال کی کشمکش اور غلبے کی مسابقت کو مشیتِ خداوندی میں ایک تکوینی مسلمہ کا مقام حاصل ہے۔ اہل باطل اس امر سے واقف ہیں کہ اہل حق پر مکمل غلبے کے لیے محض جنگی مشینوں سے یورش اور فوجی یلغار، کافی اور دیرپا نہیں ہوسکتی کیوں کہ دوسری اقوام سے مختلف، ملت اسلامیہ کی قوت وتوانائی اور عزم وحوصلہ کا اصل سرچشمہ اساسیاتِ دین اور اس کی اسلامی تہذیبی اقدار اور اخلاقی ضابطے ہیں۔ لہٰذا اس قوت کو مضمحل اور کمزور کردینا صرف فکری ونظریاتی یلغار ہی سے ممکن ہے۔ باطل نے صدیوں اس کے لیے محنت اور تیاری کی ہے۔ مستشرقین کا ایک بڑا طائفہ ایک طویل عرصے متعدد پہلوؤں سے اسلام کے مطالعے اور تحقیق وتصنیف میں غیر معمولی محنت، کاوش اور جانفشانی کے ساتھ مصروفِ کار رہا ہے۔ دنیا کی تقریباً تمام یونی ورسٹیوں میں اسلامک اسٹڈیز کے شعبے قائم کیے گئے ہیں جن میں دراساتِ اسلامی کے مآخذ ومصادر بیش تر یہودی ونصرانی مفکرین، اسکالرز اور مصنفین کی کتابیں رہی ہیں اور ایسے ہی اساتذہ کی سرپرستی ونگرانی میں اسلامک اسٹڈیز میں ڈاکٹریٹ کے طلبہ (مسلم وغیر مسلم ریسرچ اسکالرز) اسلامیات پر تحقیق کرتے اور پی ایچ ڈی کی اسناد حاصل کرتے رہے ہیں۔ بیش تر یہی اسکالرز ہیں جو صدی دو صدی سے اسلام کی تشریح وتعبیر کر رہے ہیں۔ یہ جدید دور میں جدید اسلام کے ترجمان متصور کیے جاتے ہیں اور نئی نسلوں کی علمی وفکری رہنمائی بیش تر انہی کے اوران سے فیض یافتہ دانش وروں کے ہاتھوں میں ہے۔

مقاصد اور حکمتِ عملی

اس فکری یلغار کے مقاصد متعدد ہیں اور اس کے اثرات بے شمار اور وسیع۔ ذیل میں اختصار سے ان میں سے صرف چند کا مجمل تذکرہ کیا جارہا ہے:

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

۱۔امت مسلمہ کے پاؤں اساسیاتِ دین کی زمین سے اُکھڑ جائیں وہ عقائد وعبادات کی رسمیات و مظاہر تک سمٹی رہ کرنظریات وافکار' اخلاق وکرداراور اطوار وتہذیب کی وسیع تر زمین پر پہلے تشکیک و تذبذب' پھر مرعوبیت و احساسِ کمتری اور بالآخر شکست خوردگی سے دو چار ہوکر ایک پست حوصلہ و مغلوب قوم بن کررہ جائے۔اگر کچھ فعال ومتحرک ہو بھی تو صرف دفاعی سطح پر۔

۲۔قرآن وسنت کے بجائے دیگر ذرائع علم سے ملت رہنمائی اخذ کرنے کی خوگر بن جائے۔

۳۔اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور تہذیبی اقدار'ملت کو تاریک خیالی' قدامت پسندی محسوس ہونے لگیں۔وہ انہیں بنیاد پرستی اور شدت پسندی پر محمول کرنے لگےاور یہ یقین کرنے لگے کہ جب تک اسلام اور شریعتِ اسلامی کی جدید تعبیر نہ ہو' یہ عصرِ جدید کا ساتھ دینے والا' عہدِ حاضر کے ساتھ چلنے والا دین ہرگز نہ رہ سکے گا۔

۴۔عورت کے مقام وحیثیت' خاندان' معاشرےاور تمدن میں اس کے رول سے متعلق اسلام کے اعلیٰ وارفع اصولوں'تعلیمات اور قوانین کو مسلمانوں کی نگاہ میں صرف غیر معتبر ہی نہیں بلکہ حقیر بنا دیا جائے۔

۵۔باطل قوتوں کے مظالم' استبداد'استحصال اور استعمال کی مزاحمت کرنے والی قوت بازو کو جس جس منبع اور جس جس مخرج سے غذا اور توانائی بہم پہنچ سکتی ہو'اسے فکری یلغار اور پروپیگنڈا مشینری سے اتنا بدنام کردیا جائے کہ خود ملت کی صفوں سے ایسے مفکر' دانش ور علما' صحافی' قائد اُٹھ کھڑے ہوں جو باطل کوششوں کے مزاحمت کاروں کے خلاف ایسے بیانات' فتوےاور تحریریں جاری کرنے لگیں کہ ان کی نظر میں اسلام کے چہرے پر لگے' بدنامی کے داغ' دھل جائیں۔

۶۔اسلام کے احیاء و غلبے کے لیے سرگرم تحریکاتِ اسلامی کو...... جو باطل کے لیے خطرہ اور چیلنج ہیں......اس قدر بدنام کردیا جائے کہ عام مسلمان ان سے دور رہنے ہی میں عافیت محسوس کریں۔

فکری وتہذیبی یلغار اور اس کے اثرات

یوں تو ملتِ اسلامیہ اپنی پوری تاریخ میں طرح طرح کی سازشوں اور فتنوں سے نبرد آزما ہوتی رہی ہے' تاہم ان کی کیفیت' نقصانات اور دائرہ ہائے اثر زمان ومکان' ہر دو اعتبار سے محدود اور عارضی ہورہے ہیں' لیکن بین الاقوامیت' عالم گیریت اور مواصلاتی تیز رفتاری و ہمہ گیری کے موجودہ دور میں

فکری حملوں، سازشوں اور فتنوں میں وسعت، زود اثری اور تیز رفتاری آ گئی ہے۔ تقریباً ۲۰۰ سال کے دورِ انحطاط میں ایک طرح کی سیاسی غلامی نے فکری اثر پذیری اور غلامی کے لیے ملی رجحان کو ہموار کیا ہے۔ نتیجے کے طور پر فکر ونظریہ اور علم و دانش کا کوئی بھی گوشہ اور اخلاقیات و معاشرت، علوم وعمرانیات، تہذیب وثقافت اور معاشیات واقتصادیات کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں ہے جو ان حملوں کی زد میں اور اس یلغار سے کم یا زیادہ متاثر نہ ہوا ہو۔

اُمت کے بجائے قومیت کا تصور:

مسلمانوں کو امت متحدہ اور ملت واحدہ بنائے رکھنے کا راز 'اسلامی قومیت' کے تصور میں مضمر تھا۔ اس پر جغرافیائی وطنی قومیت کے تصور کی فکری یلغار ہوئی، ملت نے اسے بحالتِ اکراہ ہی گوارا نہیں کیا بلکہ بہ شرح صدر اسے پسند اور قبول بھی کر لیا۔ اب وطنی قومیت پرستی اس کا متوازی یا ذیلی دین بن گئی اور وطن ایک ایسا خدا بن گیا ہے جس کا تعارف اقبال نے 'ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے' کے الفاظ میں کرایا تھا۔

خدا کے بجائے جمہور کی بالادستی:

''اجتماعی نظام اور تمدنی ساخت کی صورت گری میں فیصلہ کن رول ادا کرنے میں انسان اور انسانوں کا مجموعہ خود کفیل وخود مختار ہے اور اس کا یہ کام، نیز اس کے لیے یہ کام جمہور کریں گے۔'' یہ ایک سراسر باطل فکر ہے اور اسلام سے راست متصادم ہے۔ اس فکر پر اگر کہیں ایک نظام 'بالقوۃ' قائم و نافذ ہو تو اسلام اسے گوارا کرنے اور اس کی کچھ خوبیوں سے استفادہ کا موقع تو دیتا ہے لیکن اسے بہ رضا ورغبت 'بالحق' تسلیم کر لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اس فکر کی شدید ومتواتر یلغار نے مسلمانوں کو نہ صرف اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خدا کے منصب پر جمہور کے تمکن کو بطورِ امر واقعہ گوارا کر لیں بلکہ اس موقف پر بھی پہنچا دیا کہ وہ اسے قانوناً بھی سند قبولیت دے دیں۔ اس فکری یلغار نے مسلمانوں کے بڑے بڑے اہل علم و دانش کو بھی یہ باور کرا دیا کہ یہی صورتِ حال ملت اسلامیہ کی آخری اور مطلوبہ منزل ہے۔

ادیانِ باطلہ اور رواداری کا غلط تصور:

دین کی جامعیت اور ہمہ جہتی کے تصور کو خارجی یلغار نے سمیٹ کر نہایت ہی غیر فعال اور محدود کر دیا تو خود ملت کی نگاہ میں اسلام کی امتیازی حیثیت تقریباً معدوم ہوگئی اور یہ دیگر ادیان کے گویا مساوی دین قرار پایا۔ ﴿انّ الدّین عند اللّٰہ الاسلام﴾ کا درست ترجمہ تو برقرار رہا لیکن اس کی معنویت کھوگئی۔ بڑے بڑے ذہین و زیرک مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ بات درست قرار پائی کہ دین حق اور ادیانِ باطلہ کے درمیان خوش خلقی، خیر سگالی اور پرُ امن بقائے باہم بحال رہنا چاہئے۔ یہ ایک بڑا نظریاتی المیہ ہے کہ سورۃ الکافرون جو ادیانِ باطلہ سے بےزاری و براءت کا اظہار و اعلان تھی اس کی ایسی تاویل کی جانے لگی کہ تمام ادیانِ اسلام کے نزدیک ٹھیک ہیں۔ اس طرح کلامِ الٰہی کو بھی مساوات بین الادیان کا ترجمان قرار دے کر اسے سیکولرازم کی اس تعبیر کا حامی بنا دیا گیا جس کے مطابق سارے ادیان یکساں احترام کے مستحق ہیں۔ نتیجتاً فریضۂ دعوت کو ملی ایجنڈے میں اور کارِ دعوت کو ملّی سرگرمیوں میں جگہ ہی نہیں ملی......الا ماشاء اللہ! فکری یلغار کا یہ مقصد پورا ہونے لگا کہ ملت اسلامیہ اپنے دعوتی کردار سے محروم ہو جائے اور ملکی و عالمی منظر نامے پر کمزور و باطل ادیان کو قوی و توانا دین حق کی پیش رفت کا خطرہ چیلنج باقی نہ رہ جائے۔

اسلامی تحریکوں کو بدنام کرنے کی کوشش:

فکری یلغار کے مذکورہ بالا اثرات نے اسلام کا اصل چہرہ ایسا گرد آلود اور دھندلا بنا دیا ہے کہ اس کے حقیقی چہرے سے ملت کا سوادِ اعظم ایک اجنبیت اور غیر انسیت محسوس کرنے لگا ہے۔ اس صورتِ حال پر حضور ﷺ کی یہ پشین گوئی، گویا صادق آنے لگی ہے ''اسلام جب آیا، تو اجنبی تھا۔ ایک وقت آئے گا جب یہ پھر سے اجنبی بن جائے گا (۱)......'' یہی وجہ ہے کہ تحریکاتِ اسلامی، اسلام کا حقیقی چہرہ پیش کرنے کی وجہ سے ہر جگہ خود افرادِ ملت کے ذریعے مطعون، معتوب و مغضوب ہیں۔ بڑا دلچسپ المیہ ہے کہ ایک طرف باطل قوتوں کی چیرہ دستویں سے گلہ و شکوہ بھی ہے اور دوسری طرف تحریکاتِ اسلامی پر الزام و اتہام، انکی کردار کشی اور مخالفت و مزاحمت بھی۔

تصورِ تعلیم پر ضرب:

فکری یلغار نے اسلام کے تصورِ علم پر کاری ضرب لگائی ہے' جس کے نتیجے میں مسلم عوام ہی نہیں خواص کے نزدیک بھی حقیقی علم کی تعریف وتعبیر اور مقصدیت کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔ اسی مناسبت سے نظریۂ تعلیم اور تعلیم یافتگی کا مقصدِ عین' خالص مادہ پرستانہ بن کر رہ گیا ہے۔ اب ایسی باتیں سنانے والے بھی کم یاب ہیں اور سننے و ماننے والے بھی کم یاب' کہ ''علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است'' (وہ علم جو حق کی طرف راہ نمائی نہ کرے' جہالت ہے') اور ''اللہ سے کرے دور' وہ تعلیم بھی فتنہ''۔ لہٰذا بیش تر ملی تعلیمی سرگرمیوں' ملت کی تعلیمی پس ماندگی دور کرنے کی تقریباً تمام تحریکوں اور تعلیمی کاروانوں کو اسی خدا بے زار اور دین بے زار نظریۂ تعلیم سے قوتِ محرکہ و توانائی ملتی ہے۔ کبھی اسلام کے تئیں کچھ رعایت کا خیال آجاتا ہے۔ تو طلب العلم فریضة (۲)...... کی حدیث اور سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیتوں کا حوالہ بھی دے دیا جاتا ہے لیکن بالآخر تان ٹوٹتی ہے کیریئر' روزگار' تمول' دولت مندی' مادی خوش حالی' معاشی ترقی کے انہی اہداف پر جنہیں غیر اسلام نے متعین مقرر کیا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہے کہ ہماری تعلیم یافتہ نسلوں کی کھیپ کی کھیپ مادہ پرستوں کی بھیڑ میں گم ہوتی جا رہی ہے اور دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتگی کا' یہ گویا ایک لازمہ سا بن گیا ہے کہ یا تو مدارس' اسلامی درسگاہوں اور دینی تعلیمی جامعات کی تحقیر کی جائے' یا ان کے نصابِ تعلیم کو جدید کاری کے نام پر یہ کہہ کر سیکولرائز کرنے کا غلغلہ بلند کیا جائے کہ ان تعلیمی اداروں کے فارغین کسی کام کے نہیں رہ جاتے اور بس ملاّ' مولوی' امام اور مؤذن بن کر رہ جاتے ہیں جو جدید و اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی نگاہ میں گویا ایک حقیر' بے کار اور اپاہج طبقہ ہے۔

معاشی تصورات پر زد:

مضبوط معیشت اور بہتر معاشی حالت کسی بھی قوم کے لیے ایک خیرِ عظیم کا درجہ رکھتی ہے لیکن دیگر قوموں کے برعکس ملتِ اسلامیہ کی یہ امتیازی پوزیشن ہے کہ اس کی معیشت اسلامی عقائد و اخلاقیات سے وابستہ اور اسلامی پیمانہ ہائے رد و قبول سے مشروط ہے۔ کسبِ حلال کے ساتھ کمزور معاشی حالت بھی' کسبِ حرام کے ساتھ ملت میں کروڑ پتیوں' ارب پتیوں کی بھیڑ لگ جانے سے بہرحال اور بدرجہا بہتر ہے۔ اس پسِ منظر کے پیشِ منظر میں ایک زبردست فکری یلغار ہے جس

نے عوام وخواص کے بڑے حصے کو مذکورہ فرق کے تئیں غفلت و بے اعتنائی سکھائی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سودی قرض کے سرمایے سے صنعت کاری کی تدابیر بتائی جا رہی ہیں۔ کوئی دانش ور سودی معیشت کو مباح بتا رہا ہے تو کوئی پسندیدہ اور کوئی ناگزیر۔ سودی معیشت واقتصاد کے حق میں کتابوں کی تصنیف واشاعت ہو رہی ہے۔ قرآن اور احادیث کی سخت تنبیہ اور وعید سے بچنے کے لیے سود اور ربا میں فرق ثابت کیا جا رہا ہے۔ دار الاسلام اور دار الکفر کی فرسودہ فقہی بحثیں زندہ کی جا رہی ہیں۔ مسلمانانِ ہند و پاک پر خارجی اور داخلی ہر دو سطح سے ان کی 'معاشی پس ماندگی' کے اعداد وشمار کی یورش ہے اور اس کے ساتھ 'دولت مندی' اور انتہائی دولت مندی کی حرص و آز کی تیز وتند لہریں ہیں۔ اس مجموعی کیفیت کے درمیان زندگی کی صالح خدا پرستانہ تعبیر کمزور پڑ رہی ہے اور اس کی جگہ مادہ پرستانہ تعبیر کو فروغ مل رہا ہے۔

صارفیت کا فتنہ:

انڈسٹرئیلائزیشن کی غیر معمولی ترقی' صنعت وحرفت کی بے پناہ وسعت اور مصنوعات کے بے تھاہ سمندر سے ایک فکری سونامی کی زبردست لہریں اُٹھ رہی ہیں جسے صارفیت (consumerism) کہا جاتا ہے۔ یہ ایک خاموش اور غیر محسوس فکری یلغار ہے کہ انسان کو جتنا زیادہ سکون وآرام درکار ہو' مارکیٹ میں دستیاب اتنی ہی زیادہ مصنوعات خرید خرید کر اُٹھا لائے اور اپنے گردان کے ڈھیر لگا دے۔ اس کی حقیقی ضرورت کیا ہے اور کتنی ہے' اس سے قطع نظر' خریداری کا فیصلہ اس بات پر ہو کہ اس کی قوتِ خرید کتنی ہے اور دکانوں میں' سوپر مارکیٹوں میں اور پلازاؤں میں کتنی اشیائے صرف دستیاب ہیں' فیشن اور ڈیزائنر فیشن کے کتنے آئٹمز' کتنے اور کیسے ملبوسات' تکثیرِ حسن و جمال کے کیسے کیسے کاسمیٹکس' مکان کی زیبائش اور ڈرائنگ روم کی آرائش کی کتنی اشیا کاؤنٹروں' ہینگروں اور شوکیسوں سے دل و دماغ میں ہیجان بپا کر رہی ہیں۔ مسلمانوں کو اسراف اور بخل کے درمیان ایک معتدل ومتوازن زندگی جینے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اسراف کرنے والے کو قرآن میں شیطان کا بھائی کہا گیا تھا۔ سادگی اور قناعت کی زندگی کے وعظ وتذکیر کے سلسلے جاری کیے گئے تھے لیکن صنعت کاروں وسرمایہ داروں اور بڑے بڑے تجارتی اداروں کی طرف سے پرنٹ میڈیا اور

الیکٹرانک میڈیا کے توسط سے ہر وقت ہر آن ہونے والی اشتہاری یلغار نے مسلمانوں کی بھی فکر و نظر کی چولیں ہلا کر رکھ دیں' اور ملت پر کنزیومرزم کا فتنہ پوری طرح مسلط ہو گیا کوئی خوش نصیب گھرانہ ہی ہوگا جو اس سے محفوظ و مامون ہوگا۔

تحدید آبادی کے تصور کی پذیرائی:

ملحدوں' ڈارون ازم پر ایمان رکھنے والوں اور مالتھس کے پرستاروں کی بات ہو' یا دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی' اقوامِ عالم میں یہ شرفِ امتیاز امتِ مسلمہ اور صرف امت مسلمہ کو حاصل ہے کہ یہ خدا تخلیقِ عام اور تخلیق انسانی کے درمیان حقیقی تعلق کا ادراک رکھتی ہے اور بخوبی جانتی ہے کہ یہ اللہ کا منصوبۂ عظیم ہے کہ یہ زمین انسانی آبادی سے معمور بھی ہو اور اس آبادی کو قوانینِ فطرت تحت چیک اور کنٹرول بھی کیا جاتا رہے۔ ان دونوں پہلوؤں سے اللہ خلاق اعظم نے انسان کی سرشت اور نفس کے اندر سے لے کر خارج میں روئے زمین' نیز زمین کے اندر و باہر کی لامحدود وسعتوں تک اتنے اہتمامات و انتظامات کیے ہیں کہ ان کا شمار ممکن ہے۔ اس آفاقی و بدیہی حقیقت کے علی الرغم جب امت مسلمہ پر یہ فکری یلغار ہوئی کہ چھوٹا کنبہ خوش حالی کی ضمانت اور قلیل آبادی ملک کی ترقی کی ضمانت ہے تو کچھ خوش نصیب نفوس کو چھوڑ کر اکثریت کا......اور بالخصوص مسلم دانش وروں کا' اللہ کی رزاقیت پر یقین و اعتماد پانی کے بلبلے کی طرح ٹوٹ گیا۔ یہ فرق (قصداً یا بلا قصد) نظر انداز کیا جانے لگا کہ خالص انفرادی اور ذاتی سطح پر شوہر' بیوی کے لیے اس بات کا جواب کہ وہ زچہ بچہ (ماں اور نومولود) کی صحت و زندگی سے متعلق کسی ناگزیر کیفیت میں (نہ کی معاشی بنیاد پر) ضبطِ تولید کا فیصلہ کریں' ایک الگ بات ہے جس کی اجازت اسلام دیتا ہے' جب کہ مسلم قومی پالیسی کے طور پر ضبط ولادت کے حق میں' اسکی افادیت کے دلائل دینا' عامة المسلمين کو اس کی ترغیب دینا' مسلم سماج میں اس کے لیے ذہنی ہمواری پیدا کرنا' حتی کہ اس کے مستحب و مستحسن ہونے کی تحریک چلانا بالکل دوسری بات ہے جو اسلامی فکر سے صرف انحراف اور بغاوت کے مترادف ہے۔

دہشت گردی کا الزام اور تاویلیں: ۱۵' ۲۰ سال قبل تک دنیا کے کئی ملکوں اور خطوں میں مسلمان' دشمن طاقتوں کے ظلم و استبداد اور استعمار کے خلاف وطنی و قومی جذبے سے حربی مزاحمت کرتے رہے

تھے۔ پھر ان مزاحمتی تحریکات کو اسلامی ڈائمنشن دیا گیا اور فطری طور پر اس مزاحمت کو جہاد سے موسوم کیا گیا۔ پہلے دشمن طاقتیں اس مزاحمت کو 'دہشت گردی' کہا کرتی تھیں یا 'مسلم دہشت گردی' اب اسے 'اسلامی دہشت گردی' یا جہادی دہشت گردی' کا نام دے دیا گیا۔ یہ اصطلاحات مسلم انٹلکچوئلز' زعما اور علما کے اعصاب پر فکری یلغار بن کر حملہ آور ہوئیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اہلِ علم و دانش نے بیش تر' اسے سچ مچ دہشت گردی ہی باور کر لیا' خواہ دل سے' خواہ زبردست دباؤ کے تحت۔ وہ اسلام کی مدافعت کے نام پر' لغوی معنوں میں لفظ جہاد کی تعریف تشریح و تعبیر میں لگ گئے اور اس کے اصطلاحی مفہوم کو دبا دیا' چھپایا جانے لگا یا اس کی ایسی تاویلات کی جانے لگیں جو دشمن طاقتوں کو پسند آ جائیں۔ اس کے لیے یہ بھی کیا گیا کہ بارہ تیرہ صدی قبل مرتب کی گئی ایسی شرائط کی تکمیل حقیقی اسلامی جہاد قرار پانے کے لیے لازم بتائی گئی جو اول تو قرآن و احادیث میں منصوص نہیں ہیں اور دوسرے' موجودہ دور اور حالات و کوائف میں ان کی کوئی معنویت (Relevance) ہی باقی نہیں رہی ہے۔ اس فکری یلغار نے انہیں اتنا مرعوب اور خوف زدہ کر دیا کہ بقول مولانا مودودیؒ، اسلام کے یہ وکلا اسلامی نقطۂ نظر کو ایسے رنگ میں پیش کرنے لگے جو دشمنانِ اسلام کو پسند آ جائے۔

مولانا نے لکھا تھا کہ ''اسلام کو اسلام کے اپنے رنگ میں پیش کر دیجیے۔ لوگوں کو پسند آ جائے تو بہت اچھا' نہ پسند آئے تو کوئی پرواہ نہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور اولوالعزم لوگوں کا اسوہ ہمیشہ سے یہی رہا ہے۔''

کون سنتا ہے فغانِ درویش!

دہشت گردی کی وہ قسم جس میں بے قصور' عام شہری مارے جائیں' سب سے زیادہ مسلمانوں کے ذریعے مذمت کی مستحق ہے خواہ مجرم کوئی بھی ہو' بلکہ اگر مجرم مسلمان ہو تو اس کی اور زیادہ مذمت اور سخت سزا کا مطالبہ مسلمانوں کو' دیگر قوموں سے بڑھ کر کرنا چاہیے۔ لیکن دشمنانِ اسلام کی مذکورہ بالا حکمت عملی اور فکری یلغار سے متاثر' مسلم دانش ور' صحافی' علماء اور قائدین کی اکثریت نے ایک یکسر غلط رویہ اختیار کیا۔ وہ کوئی حادثہ ہونے کے فوراً بعد مجرم کی مذمت اور اس کے حوالے سے اسلام کا دفاع اس طرح کرنے لگ گئے گویا انہوں نے تفتیش کر کے یہ یقین کر لیا ہو کہ حادثے کے مجرم مسلمان ہی ہیں حالانکہ نہ عالمی سطح پر' اور نہ ملکی سطح پر یہ کوئی ڈھکی چھپی بات رہ گئی ہے کہ بیش تر حادثوں میں کچھ دیگر

مسلم دشمن عناصر' تنظیمیں اور ایجنسیاں ملوث ہوتی ہیں اور حادثے کے بعد آناً فاناً مسلمانوں کے نام سے میڈیا اور ملک گونج اُٹھتا ہے۔ اس رویے کا اثر یہ ہوا کہ دہشت گردی کے حوالے سے پوری ملت کی' اغیار کی نظروں میں مجرمانہ تصویر بنانے اور اسے احساسِ جرم میں مبتلا کر دینے میں خود ہم ایک بڑا رول ادا کرنے لگے اور کسی بھی مسلمان کو' کسی بھی جگہ اور ہر حادثے کے بعد پکڑ لیے جانے کی فضا ہموار کر دی۔ آج کل پوری دنیا میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔

عائلی زندگی اور خاندان کی توڑ پھوڑ:

ازدواجی اور عائلی زندگی' معاشرہ اور تہذیب وتمدن کی عمارت کی بنیاد کے پتھر ہیں۔ یہ پتھر غیر مسلم معاشروں میں کمزور ہو رہے ہے' ٹوٹ رہے یا اپنی جگہ سے کھسک رہے ہیں۔ لہذا پوری عمارت یا تو شگاف زدہ ہو رہی ہے یا منہدم ہو رہی ہے۔ اسلام کا فیض ہے کہ مسلم معاشرہ اب تک اس تخریب سے محفوظ ہے۔ دشمنانِ اسلام کو' ظاہر ہے کہ یہ بات کیوں کر گوارا ہوتی...... خصوصاً جب مسلم معاشرے کے اس امتیاز کی کشش غیر مسلم معاشروں کے مردوں اور عورتوں اور نوجوانوں کو اسلام کی طرف کھینچنے لگی ہو۔ لہذا اس محاذ پر طلاق اور تعدد ازدواج کے بارے میں حقوقِ نسواں اور مساوات مرد وزن کے نہایت خوب صورت ناموں سے ایک زبردست فکری یلغار کی گئی' جس سے اہل فکر ونظر' اہل علم وتفقہ' اہل دانش وبینش کے...... حتی کہ اہل دین وتقویٰ کے بھی' جو شرعی قوانین کے محافظ ونگراں تھے...... دینی اعصاب چرمرا اُٹھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شرعی قوانین' نامکمل' ناکافی اور ناقص نظر آنے لگے۔ شریعتِ کاملہ ومطہرہ کی شرائطِ نکاح سے زائد اشتراط فی النکاح کا نفاذ ضروری قرار پایا۔ شوہر کے لیے عقدِ ثانی کو' شریعت پر مستزاد سخت شرط کے ساتھ مشروط کیا جانے لگا۔ شریعت کی روح اور شرعی قوانین میں مضمر عظیم حکمتیں ناقابلِ التفات ٹھہریں۔ فکری یلغار کے دباؤ کی شدت میں اس بدیہی حقیقت کا خیال بھی نہ آیا کہ یہ بظاہر دونوں نیک کام' عملاً مسلم ازواج اور خاندانوں پر...... اور بالآخر مسلم سماج پر...... وہی راستہ کھول دیں گے جو کچھ دور جا کر غیر مسلم معاشروں اور گھرانوں کو تباہی سے دوچار کرتے رہے ہیں اور اس تباہی کے مناظر ہم معاصر تہذیب میں شب وروز کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

مسلم عورت، خصوصی ہدف

مسلم سماج میں کچھ عورتیں' کچھ مخصوص امور میں سچ مچ مظلوم ومقہور ہیں' تاہم بحیثیتِ مجموعی مسلم عورت دنیا بھر کی عورتوں میں سب سے زیادہ محسوس طور پر' باعزت' باعصمت' باوقار' محفوظ و مامون اور مطمئن ہے۔ اس کی یہ عمومی پوزیشن' نیز اس کی وہ کشش جس کی تحریک پر غیر مسلم خواتین دائرہ اسلام میں مسلسل کھنچتی چلی آرہی ہیں' دشمنانِ اسلام کو فطری طور پر ایک آنکھ نہیں بھاسکتی۔ اس پوزیشن کی بقا اور اس کی بحالی میں وہ شہوانیت' اباحیت' فحاشی' بے لگام' جنسی لذتیت اور موت کا پیش منظر دیکھ رہے ہیں۔ لہذا انہوں نے عورت کے تعلق سے اسلامی اصول' اخلاقیات اور قوانین کے خلاف زبردست منصوبہ بندی کر کے 'نقشہ کار بنا کر' طریقہ کار متعین کر کے اسلام پر حملے اور ملتِ اسلامیہ پر فکری یلغار کے دہانے کھول دیے۔ معلوم ہوا کہ ایسے بے شمار موجود ہیں جو دشمنوں کی سازشوں کو یا تو سمجھنے کی صلاحیت اور ظرف نہیں رکھتے' یا قصداً سمجھنا نہیں چاہتے' یا دشمنوں سے اتنے زیادہ مرعوب ہیں کہ اس کمزوری کا مداوا وہ مسلم سماج اور اسلامی تہذیب کو تبدیل کر دینے میں تلاش کر دیتے ہیں۔

گھر کی سربراہی کا مسئلہ:

ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی اجتماعیت کو' خواہ وہ فیملی ہو یا بڑے بڑے ادارے' حسنِ انتظام اور ڈسپلن عطا کرنے کے لیے ایک منتظم' ذمہ دار اور سربراہ کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے۔ فیملی کے لیے اس سربراہ کو قرآن نے 'قوام' کہا ہے۔ دوسرے معاشروں میں قوام کا منصب جنسی مساوات کے نام پر یا تو ختم ہو چکا ہے یا آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ اسی مناسبت سے گھرانے بکھر رہے اور فیملیاں کمزور ہو رہی ہیں۔ یہ صریح زیاں منصہ شہود پر ہونے کے باوجود کچھ مسلم دانش ور 'قرآن کو خاطر میں نہ لا کر مرد کی قوام کی حیثیت کو مشکوک بنا رہے ہیں یا چیلنج کر رہے ہیں اور فنی مکاری کو بروئے کار لا کر' قرآن کے تصورِ مساواتِ مرد وزن کی تاویل کرنے سے نہیں چوکتے۔

معاشی آزادی پر زور:

عورت کی تخلیقی ہیئت اور مرد کے مقابلے میں اس کی مخصوص امتیازی نفسیاتی' جذباتی' اعصابی ساخت' نیز اس کے مخصوص وظیفہ ہائے حیات کی مناسبت سے اسلام نے اس پر (استثنائی و

انفرادی حالات کو چھوڑ کر) کسبِ معاش اور مشقت طلب کاموں کا بار نہیں رکھا تھا۔ لیکن اب اس پر اس دلیل کے ساتھ ان ذمہ داریوں اور مشقتوں کا بار رکھا جانے لگا ہے کہ اسلام نے اسے شوہر کا غلام نہیں بنایا ہے۔ اسے آزادی اور کسبِ معاش کا حق حاصل ہے۔ اس بات کو 'ویمن ایمپاورمنٹ' کے گمراہ کن لیکن خوشنما لبادے میں لپیٹ کر پیش کیا جا رہا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے تک یہ سارے کمالات الحادزدہ' دین بیزار' نام نہاد' روشن خیال' آزدرو' لبرل اور پروگریسیو مسلمان ہی کیا کرتے تھے۔ اب مؤقر دینی جامعات کے فارغین بھی میدان میں اُتر آئے ہیں۔ ایسی ہی ہے یہ عظیم فکری یلغار اور ایسے ہی غیر معمولی ہیں اس کے اثرات۔ اس یلغار پر اربوں ڈالر اور غیر معمولی محنت صرف کی جا رہی ہے۔ فیمنسٹ تحریک کی عالم گیر تنظیمات......جن کے منصوبوں' عزائم' حکمت عملی اور سرگرمیوں سے ملت کا بڑا طبقہ ناواقف یا غافل ہے۔ اس یلغار میں کارگر اسلحے کا کام کر رہی ہیں۔

یہ ہیں موجودہ فکری یلغار کی طویل اور شاخ در شاخ داستان کے چند شذرات اور اس کے اثرات کی چند جھلکیاں۔ اُمت مسلمہ کو ایک بڑا خطرہ اور چیلنج درپیش ہے' تاہم مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلامی تحریکات کے ہاتھوں بحمد اللہ فکرِ اسلامی کا احیا ہو رہا ہے اور اس کی پیش رفت بفضلہٖ تعالیٰ جاری ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ زیادہ منظم اور مربوط ہو اور اس پر زیادہ وسائل صرف کیے جائیں۔

۲۔ سماجی و ثقافتی مسائل

ہمارے سماجی و ثقافتی مسائل میں خاندانی نظام کی شکست و ریخت' عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار' لسانی اور گروہی اختلافات' قوم پرستی' مادہ پرستی' نام نہاد ترقی پسندی' مغرب زدگی اور مغرب سے محاذ آرائی سرِفہرست ہیں۔ جدیدیت یعنی (Modernization) سے انکار نہیں۔ ہمیں اکیسویں صدی کے تقاضوں کا ساتھ بہر حال دینا ہے لیکن اپنے سماجی ڈھانچے کو بھی محفوظ رکھنا ہے اور ثقافتی ادار کا بھی تحفظ کرنا ہے۔ ان حالات میں ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو ایک نئے انداز سے اپنانے کی ضرورت ہے۔ آپؐ کی بعثت ایک ایسے معاشرے میں ہوئی تھی جس کی حالت ہر اعتبار سے ابتر تھی۔ آپؐ نے مکی زندگی میں بالخصوص اور مدنی زندگی میں بالعموم سماجی اور ثقافتی اصلاح کی

طرف خصوصی توجہ دی۔ آپؐ نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دی کہ افراد ذہنی اور اخلاقی طور پر اتنے پاکباز ہوں کہ ریاست اور قانون کی کم سے کم مداخلت کے باوجود بھی وہ صحیح راستے پر چلیں۔ (البقرۃ ۲:۱۷۷)

اسی طرح آپ کا طریقِ تربیت یہ بھی تھا کہ لوگ ایمانی قوت سے مالا مال ہوں اور مادہ پرستی سے متنفر ہوں۔ پھر باہمی ہمدردی احسان و ایثار' شجاعت وحمیت صبر و استقامت' عفو درگزر' حلم و بردباری' سخاوت و فیاضی حسنِ اخلاقِ صدق وتوکل' رواداری اور حسنِ ظن جیسے اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں۔ لوگوں کا رُخ ایسی تعلیمات کی طرف موڑا جائے جس سے یہ صفات ان میں بدرجہ اتم پیدا ہو جائیں۔ (النسآء ۴:۵۸)

فرقہ پرستی' گروہی اور لسانی اختلافات نے ہمارے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ان اختلافات کے باعث آپس کا لین دین اور محبت و اخوت کے عنصر کو ملیا میٹ کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام اختلافات کو مٹا کر آفاقیت اور انسان دوستی کا درس دیا۔ آپؐ نے فرمایا:

''انسان آدم کی اولاد ہے اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔'' (۳)

آپؐ نے تعصب پر جان دینے' تعصب کی طرف بلانے اور تعصب پر جنگ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں۔ (۴) آپؐ نے مومن کی جان و مال اور آبرو کو ایک دوسرے کے لیے حرام قرار دیا۔ (۵) تعلیم و تربیت کی طرف حضور ﷺ کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ آپؐ نے ((انما بعثت معلما)) (۶) فرما کر تمام عمال حکومت اور علماء کو تعلیم' تبلیغ اور تزکیہ و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دلائی اور سب کو عوام کی تعلیم و تربیت کے لیے یکساں ذمہ دار قرار دیا۔ (۷)

آج ہمیں اپنے سماجی اور ثقافتی مسائل کے حل کے لیے بھی آنحضرت ﷺ کے ان اقدامات پر بھرپور عمل کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جدید آلات سے ہی فلاح اور اصلاح کا کام لیا جائے۔ اسلامی پروگرام اخلاقیات پر مبنی ڈرامے اور فلمیں' نصاب تعلیم کی تشکیلِ نو' اساتذہ کی تربیت' حکمرانوں کا طرزِ عمل' رشوت' سفارش' اقرباء پروری کا خاتمہ' عدل و انصاف کی ترویج' میرٹ کا

تقدس اور پولیس کی اصلاح ایسے اقدامات ہو سکتے ہیں جن سے ہمارے سماجی اور ثقافتی مسائل کو حل کرنے میں کما حقہ مدد مل سکتی ہے۔

۳۔ اقتصادی مسائل

بلاشبہ آج کی دنیا معاشی مسابقت کی دنیا بن چکی ہے۔ ترقی یافتہ مغربی ممالک دنیا بھر کو بالعموم اور عالمِ اسلام کو بالخصوص اپنی صنعتی پیداوار کی کھپت کے لیے اپنی منڈی بنانے کی تگ ودو میں مصروف ہیں مگر امتِ مسلمہ کا المیہ یہ ہے کہ بیشتر اسلامی ممالک بے شمار مادی وسائل کے باوجود اندرونی اور بیرونی طور پر ان گنت اقتصادی مسائل کا شکار ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی معاشی تعلیمات اسی معاشرے میں روبہ عمل آ سکتی ہیں جو اخلاقی طور پر مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہو لیکن اخلاق سے عاری معاشرے میں ان تعلیمات کو کیسے نافذ کیا جائے؟ یہ سوال آج بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے روشن خیال مفکرین یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں:

> ''وہ مسلم ممالک جہاں زکوٰۃ اور عُشر کا مرکزی اور حکومتی نظام قائم ہوا ان کے معاشرے میں اس نظام سے ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی بلکہ اس کا نقصان یہ ہوا کہ یہ ادارے بعض حکمرانوں کے سیاسی استحکام میں ایک وسیلہ اور ذریعہ کی حیثیت سے استعمال ہوئے یا سیاسی حکومت کو اَخلاقی جواز مہیا کرنے میں۔ اسلام کو خاص طور پر قانونِ وراثت' نظامِ زکوٰۃ' آبادی اور ملکیت زمین کے مسائل پر تخلیقی کام کرنا ہو گا۔ خاص طور پر جاگیردارانہ نظام کے ان پہلوؤں پر جہاں وہ مذہب کے نام پر اپنا جواز پیدا کرتے ہیں۔'' (۸)

یہ تو رہی اندرونی صورتِ حال بیرونی صورتِ حال بھی خاصی گھمبیر ہے۔ اسلامی ممالک نہ تو کوئی مشترکہ معاشی منڈی رکھتے ہیں' نہ موثر بینکاری نظام' نہ باہمی امداد تعاون کا کوئی موثر نظام ہے نہ ایک دوسرے سے وسائل سے استفادہ کرنے کو کوئی لائحہ عمل امت مسلمہ کا بیش بہا سرمایہ اور قیمتی

وسائل مغربی ممالک کے رحم وکرم پر نہیں۔ اقتصادی مسائل ہی کے حوالے سے امت مسلمہ کا ایک اہم مسئلہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ہماری پسماندگی بھی ہے۔

اگر ہم اپنے اسلاف کے کارناموں کا جائزہ لیں' تاریخ' فلسفہ' سائنس' فلکیات' ادب' طب اور فنونِ لطیفہ غرضیکہ وہ کونسا علم و ہنر کا شعبہ ہے جس میں مسلمانوں کے کارہائے نمایاں تاریخ کا حصہ نہیں۔ صرف سائنس ہی کو لیجئے۔ خوارزمی' جابر بن حیان' ابن الہیثم' موسیٰ بن شاکر' الکندی' بوعلی سینا اور نہ جانے اور کتنے سائنسدان' ریاضی دان' کیمیا دان اور ماہرینِ طب اس امت نے پیدا کیے مگر اکیسویں صدی میں داخل ہوتے ہوئے اس میدان میں امتِ مسلمہ کی زبوں حالی محتاجِ بیان نہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ سیرت النبی ﷺ ہی سے خوشہ چینی کرتے ہوئے علم و ہنر کا راستہ اپنایا جائے۔

آنحضرت ﷺ جس معاشرہ میں مبعوث ہوئے اس میں تعلیم تقریباً ناپید تھی لیکن آپ کا علم کی مجالس میں بیٹھ کر لوگوں کو حصولِ علم کی ترغیب دلانا' صفہ جیسا ادارہ قائم کرنا' ہر مسلمان (مرد، عورت) کو علم حاصل کرنے کی تلقین کرنا اور خود کو معلم کہلوا کر معلم کی تعظیم و توقیر میں اضافہ کرنا۔ آپ کی ایسی تعلیمات ہیں جن سے سیرت النبی ﷺ میں حصولِ علم اور تعلیم و تعلم کی اہمیت و افادیت کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے پھر قرآن پاک کی کتنی ہی آیات ہیں جن سے علوم و فنون کی جانب راہنمائی ملتی ہے تسخیرِ کائنات اور مظاہر فطرت کی بوقلمونیوں کی جانب توجہ مبذول ہوتی ہے اور یہ بات بلاخوف و تردید کی جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ، خطباتِ بہاولپور میں فرماتے ہیں:

"قرآن پاک تمام علوم کا سرچشمہ ہے جو اس سے ہدایت لے گا
یہ اسے تمام علوم کے حصول کی طرف راہنمائی کرے گا۔"

اقتصادی میدان میں اگر آنحضرت ﷺ کے اقدامات کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ کی اسلامی ریاست ابتداء میں معاشی پس ماندگی کا شکار تھی۔ مہاجرین مکہ کی تجارت منقطع ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں انصارِ مدینہ پر پہلے سے یہودیوں کی معاشی بالادستی قائم تھی۔ اس طرح ایک طرف تو مشرکین مکہ سے واسطہ تھا تو دوسری طرف یہود مدینہ سے جو مدینہ کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے اور سودی کاروبار کرتے تھے۔

آپؐ نے ان استحصالی قوتوں کے معاشی چنگل سے نکلنے کے لیے مدینہ میں اسلامی تجارت کو فروغ دیا۔ زرعی پیداوار میں اضافے کا رجحان پیدا کیا اور سودی کاروباری کا خاتمہ کیا۔ اس کے علاوہ مشرکین اور یہود کی تجارتی اجارہ داری کے خاتمے کے لیے تجارتی راستے پر آباد قبائل سے امن معاہدے کیے۔ تجارت اور صنعت وحرفت کی طرف مسلمانوں کو ترغیب دلائی۔ صنعت وحرفت کو پاک ترین روزی اور تجارت کو بہترین معاش قرار دیا۔ آپؐ نے فرمایا:

''جو شخص تجارت کرتا ہے اس کے یہاں خیر و برکت اور بھلائی پیدا ہوتی ہے۔''(۹)

آپؐ نے بازاروں اور منڈیوں پر چند افراد کی اجارہ داری کا سدِ باب فرمایا۔ اس سلسلے میں آپؐ نے **بیع الحاضر للبادی** (شہری دیہاتی کے مال فروخت نہ کرے) سے منع فرمایا(۱۰)۔ آپ نے تجارتی بدعنوانیوں کی روک تھام کے لیے مختلف افراد کو بازاروں پر نگران مقرر کیا۔ آپؐ نے ذرائع نقل وحمل کو آسان بنایا۔ اس سلسلے میں معاہدات فرمائے اور ذرائع نقل وحمل میں مشکلات ڈالنے والوں کے خلاف کاروائی کی۔ آپؐ کے ان اقدامات کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں نے تجارتی میدان میں خوب ترقی کی اور اس طرح اسلامی ریاست کی معیشت مستحکم ہوئی۔

آپؐ نے ملاوٹ ذخیرہ اندوزی' رشوت خوری' ناپ تول میں کمی' ربا' اسراف' تبذیر' کام چوری اور گداگری وغیرہ جیسے قبیح افعال کو ممنوع قرار دیا۔ دینے والے ہاتھ کو لینے والے ہاتھ سے افضل قرار دیا۔ رزق حرام اور حبِ دنیا کی مذمت کی۔ رزق حلال اور کسب معیشت کے لیے ترغیب دی۔ کفالت عامہ اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے خود کو لاوارث کا وارث قرار دیا۔(۱۱)

آپؐ کے عہد میں ریاست کی آمدنی غریبوں' اپاہجوں' بیواؤں' ناداروں کے علاوہ رفاہِ عامہ کے کاموں پر بھی خرچ کی جاتی تھی۔ امیروں سے زکوٰۃ لے کر غریبوں پر خرچ کی جاتی تھی لیکن اگر اس سے کفالت عامہ نہ ہو تو آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ غرباء اور مساکین زکوٰۃ وصدقات کے علاوہ بھی دولت مندوں کی دولت پر حق رکھتے ہیں۔ آپ کی انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بیت المال کی رقم سے مسلمانوں میں برابر تقسیم فرماتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں بچوں کے وظائف مقرر کیے گئے۔ بوڑھے اور معذور ذمیوں کا جزیہ بیت المال سے ادا کیا گیا۔ یعنی اسلامی بیت المال سے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم مستحقین کو بھی امداد دی جاتی تھی۔

حضرت عمرؓ نے قومی خزانے کی حیثیت اور اس پر حکام اور رعایا کے حقوق کا تذکرہ بھی کس قدر جامع اور دوٹوک الفاظ میں فرمایا:

> ''اے لوگو! میرے اور آپ کے مال کا وہ تعلق ہے جو یتیم کے مال اور اس کے ولی کے درمیان ہوتا ہے۔ اگر میں مالدار ہوں گا تو بیت المال سے کچھ نہ لوں گا اور اگر فاقہ کی نوبت آ جائے تو عام رواج کے مطابق کھانے کے لیے لے لوں گا۔ مجھ پر تمہارا بہت سے حقوق ہیں جن کے لیے تم مجھ سے مطالبہ کر سکتے ہو۔ (۱۲)

اسی طرح حضرت عمرؓ کا یہ بھی معمول تھا کہ آپ اکثر مدینہ کے باہر تشریف لے جاتے تھے اور اگر کسی شخص کو اس طرح کا کام کرتے دیکھتے جو اس کی برداشت سے باہر ہوتا تو اس کے آجر کو اس کی طاقت کے مطابق کام لینے کا حکم دیتے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے محتسب بھی مقرر کر رکھے تھے۔ ایک بار آپ کو یہ اطلاع ملی کہ ایک آجر بیمار مزدوروں کی عیادت کو نہیں جاتا۔ آپ نے محتسب کو ہدایت کی کہ آجر سے باز پرس کی جائے اور اس کو ایک طبیب مقرر کرنے کی فہمائش کی جائے اور اس کی آمدنی طبیب کا بوجھ نہ اُٹھا سکے تو بیت المال کی طرف سے فوراً طبیب مقرر کر دیا جائے۔ (۱۳)

ان تعلیمات و اقدامات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے لیے اقتصادی مسائل کے حل کا منہاج کیا ہونا چاہیے ڈاکٹر منظور احمد کا یہ خیال بر کسی طور پر درست معلوم ہوتا ہے۔ اکیسویں صدی میں بھی سیاسی حاکمیت اور سیاسی غلبہ معاشی ترقی کے سائے میں آگے بڑھے گا۔ جن قوموں، تہذیبوں اور ملکوں کے پاس معاشی ترقی کا کوئی قابلِ عمل اور واضح نقشہ موجود نہ ہوگا۔ ان کا مستقبل درخشاں نظر نہیں آتا۔ (۱۴)

۴۔ سیاسی مسائل

الف: مسلم ریاستوں کے داخلی مسائل

ب: عالم اسلام کے باہمی تعلقات

ج: عالمِ اسلام کے خارجی مسائل

(الف) اکیسویں صدی کے تناظر میں جدید اسلامی فلاحی ریاستوں کا قیام ناگزیر ہے۔ محمد عربیؐ نے ایک قلیل مدت میں اسلامی نظریات کے عین مطابق ایک جدید فلاحی انقلابی ریاست قائم کی اور پورے عرب کو اس کے زیرِ سایہ لانے میں کامیاب ہو گئے کیونکہ افراد کی سیرت کی تشکیل معاشرے اور ریاست سے باہر ممکن نہیں۔ (۱۵)

داخلی سیاسی مسائل کے حل کے لیے تین چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں:

i سیرۃ النبیؐ کے مطابق سیاسی نظام کی تشکیلِ نو

ii امن امان کا قیام

iii ریاستی اداروں کی اصلاح

اس وقت تقریباً تمام مسلم ریاستوں میں ملوکیت، جاگیرداری، سرمایہ داری یا مغربی جمہوریت کے ذریعے حکومتیں بنتی اور بدلتی ہیں جبکہ اسلام کے سیاسی نظام میں ان عوامل کا سرے سے کوئی دخل ہی نہیں۔ بلکہ اسلام کا تو پیغام ہی طبقاتی امتیاز کا خاتمہ تھا۔ ہمارے ایک روشن خیال مفکر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نے لکھا تھا:

> ''کوئی جمہوریت جو اسلامی ہونے کی دعویدار ہو، وہ نہ برطانوی نمونے کی ہوگی اور نہ روسی ان میں پہلی تو دو یا زائد جماعتوں کے تصادم پر مبنی ہے اور دوسری صرف ایک جماعت کے اقتدار کی اجارہ داری ہے جو کسی اختلاف کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی اسلامی حکومت اسلامی اصول پر اسمبلی یا کسی پارلیمنٹ کو تشکیل دے تو اس کے مذہبی پیشواؤں کی انجمن بن جانے کا خطرہ نہیں۔

اسلامی معاشرہ ایک غیر طبقاتی معاشرہ ہے کیونکہ یہاں کوئی مذہبی انجمن اور طبقات خاص رعایت اور مفادات کے ساتھ نہیں ہیں لیکن اصحابِ علم اور اہل دانش میں ارکانِ مجلس کے انتخاب کا کوئی طریقہ ہونا چاہئے۔ سیاسیات میں مال و دولت کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہئے ورنہ برائے نام جمہوریت اور عملی طور پر اہل ثروت کی ریاست ہوگی۔'' (۱۶)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے اوّلین خطبۂ خلافت میں فرمایا تھا:

''لوگو میں تمہارا ولی مقرر کیا گیا ہوں میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھائی کروں تو میری مدد کرو۔ اگر غلط کروں تو مجھے درست کرو۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوادوں اور قوی ضعیف ہے یہاں تک کہ اس سے غریب کا حق لے لوں۔ میری اطاعت کرو۔ اس وقت تک جب تک کہ میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کروں اور اگر میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت نہ کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔'' (۱۷)

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا ہمارا سیاسی ڈھانچہ ایسے خطوط پر استوار ہے جو ہمیں ایسے حکمران دے سکے جو حضرت صدیقِ اکبرؓ جیسا نصب العین اور روشن فکر رکھتے ہوں۔

ii داخلی سیاسی مسائل کے ضمن میں ہمیں درپیش دوسرا اہم مسئلہ امن و امان کے قیام سے متعلق ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی داخلی امن کی طرف توجہ فرمائی۔ فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت سے سخت کاروائی فرمائی۔ اور آپ کا یہ فرمان سچ ہو کر رہا:

''ایک وقت ایسا آئے گا جس صنعا یمن سے ایک محمل نشین

خاتون تنہا سفر کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔'' (۱۸)

iii داخلی سیاسی مسائل کے ضمن میں ہمارا تیسرا اہم مسئلہ ریاستی اداروں کا استحکام اور اصلاح ہے۔آنحضرت ﷺ نے ریاست میں قائم کردہ تمام شعبوں کے استحکام پر خصوصی توجہ دی۔اسی ضمن میں سیرت النبی ﷺ اور خلافتِ راشدہ کی راہنمائی حسبِ ذیل ہے:

- سرکاری ملازمین کا تقرر اہلیت اور استحقاق کی بنیاد پر کیا جائے۔
- سفارش اور اقرباء پروری کے عناصر کا قلع قمع کیا جائے۔
- تمام حکام اور ذمہ دار افسران و ملازمین کے طرزِ عمل اور کردار کی کڑی نگرانی کی جائے۔
- افسران و ملازمین کے اثاثوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔
- سرکاری خزانے میں کسی بھی قسم کی لاپرواہی، کوتاہی اور خورد برد کرنے والے ذمہ داران کو سزا کا مستحق سمجھا جائے۔
- انصاف و احتساب کے معاملے میں حاکم ومحکوم امیر و غریب اور افسر و ماتحت سب کے ساتھ ایک جیسا اور مساوی سلوک کیا جائے۔
- حکام افسران اور ملازمین سب کو سیرتِ رسول اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے طرزِ بودو باش، سادگی میانہ روی اور سرکاری خزانے کے بے تحاشہ استعمال سے گریز کرے جیسے اقدامات کو اپنانا چاہیے۔

(ب) عالمِ اسلام کے باہمی تعلقات

اکیسویں صدی کے تناظر میں سب سے ہم سیاسی مسئلہ عالم اسلام کے باہمی تعلقات کا ہے۔
آج سے بیس برس قبل پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر ایک معروف اسلامی دانشور نے کہا تھا:

''اس وقت مسلم ممالک نے جن بنیادوں پر خود کو تقسیم کیا ہوا ہے وہ سراسر غیر مناسب ہیں۔ چنانچہ افغانستان سے لے کر عرب اور افریقہ تک عام طور پر باہمی بے تعلقی کا عالم ہے۔لہذا قدرتی طور سے حضورؐ اپنی امت کو آج بھی وہی فرمائیں گے جو عربوں سے فرمایا تھا اور اتحاد کی نعمت کی بشارت دے کر افراق سے بچنے کی تلقین کریں گے......جس طرح حضورؐ کے زمانے میں اتحاد واقعی ایک نعمتِ عظمیٰ

ثابت ہوا تھا اور آپ کی امت دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا پر چھا گئی تھی۔ آج بھی نعمت اتحاد و اتفاق اپنے اندر ویسے ہی روشن احکامات رکھتی ہے۔ بلاشبہ چودہویں صدی میں زوال کے سائے گھیرے رہے مگر پندرہویں صدی جملہ قرائن کی رو سے امید افزا صدی ہے۔ یہ اس شرط سے ہے کہ مسلمان اپنے روحانی رشتوں کو اپنے اتحاد کی اساس قرر دے لیں اور ان رشتوں کے تابع وسائل مادی کی تنظیم کر کے خود کو ایک بنیادِ مرصوص بنالیں۔'' (۱۹)

بہر حال سیرت النبیؐ کا پیغام تو آج بھی یہی ہے' بقول قبال:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے

نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

کاش یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو

(ج) عالمِ اسلام کے خارجی مسائل

دنیا کی دوسری بڑی طاقت کی شکست و ریخت کے بعد طاقت کے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ اس تناظر میں ہمیں اپنے خارجی مسائل کے حل کے لیے بھی سیرۃ النبیؐ کو مشعلِ راہ بنانا ہوگا۔ اس ضمن میں ہر اسلامی ریاست کو اپنی حفاظت اور مدافعت کے لیے خود کفیل ہونا ضروری ہے اور یہ حقیقت ہے کہ امن کی راہیں میدانِ جنگ سے ہو کر گزرتی ہیں۔ مسلمانوں کو فنونِ حرب اور عسکری قوت میں اس قدر طاق اور خود کفیل ہونا چاہیے کہ دشمن کو حملہ کرنے کی ہمت ہی نہ ہو۔

یہ حیقت ہے کہ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد کی زیادہ تر غزوات اور سرایا کا مقصد جارحیت کی مدافعت اور جنگ برائے امن تھا۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر امتِ مسلمہ اکیسویں صدی کے چیلنجز سے ہم آہنگ ہو سکتی ہے مگر اس کے لیے آنحضرتؐ کے اس حکم کو لازماً سامنے رکھنا ہوگا:

''حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے۔ پس جہاں اسے ملے وہ
اس کا زیادہ حق دار ہے۔'' (۲۰)

ایک عالمگیر مسلم برادری کی بنیاد ڈالنے کے لیے قرآن نے تمام خدا پرستوں کی وسیع برادری کا

تصور دیا ہے۔علامہ اقبال مرحوم نے اپنے خطبات ہی میں کہا ہے:

''عہدِ حاضر کے مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنی معاشرتی زندگی کی اصلاح اور اسلام کے اس وقت تک منکشف شدہ مقاصد سے یہ استنباط کرے کہ روحانی جمہوریت کا قیام اسلام کا آخری نصب العین ہے۔''(۲۱)

امت مسلمہ کا وجود اقامتِ دین اور شہادتِ حق ہے۔ دنیا میں کامیاب زندگی اور آخرت میں نجات اللہ کی نازلکردہ ہدایت یعنی دینِ حق پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے اپنا زاویہ فکر رکھتا ہے اسلامی تحریک مغرب کے سیکولر ماڈل کو مسترد کرتی ہے جو اسلام کو فرسودہ نظریہ حیات قرار دیتی ہے اور اپنے اطلاعاتی ماحول کے ذریعہ سیکولر ذہن بنانا چاہتی ہے جو مغرب کے لیے نرم گوشہ رکھتا ہو یا مغرب کو اپنے لیے ماڈل سمجھتا ہو۔ لبرل تعلیمی نظام اسلام کے خلاف مغرب کی سازش ہے جو مسلمان معاشرے کو اپنے اندر ختم کرنا چاہتا ہے۔ مغرب اسلامی تحریکوں کی قیادت کو بدنام کرنے کے لیے انہیں نااہل، متروک، بے مغز، عقیدہ پرست رجعت پسند اور تاریک خیال ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔(۲۲)

ڈاکٹر منظور احمد نے اس ضمن میں لکھتا ہے:

''اسلامی معاشرہ پچھلے پانچ سو سال سے ظاہری سیاسی حرکت کے باوجود معنوی حرکت سے محروم ہو چکا ہے اور جمود کا شکار ہے۔ اس نے فکر کی نئی جہتوں کو دریافت نہیں کیا اور زمانہ جدید میں جو تخلیقی قوتیں کارفرما ہیں اور فکر نے جو نئے نئے راستے نکالے ہیں ان کا کوئی...... ردعمل اسلامی مفکرین کے ہاں نہیں پایا جاتا۔(۲۳)

اسلام اعتدال کا دین ہے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے ہمیں اپنی ثقافت اقدار کی نگہبانی بھی کرنی ہے اور حکمت و دانائی کے موتیوں کو چن کر جدید چیلنجز کا مقابلہ بھی کرنا ہے(۲۴) اس موجودہ

معروضی صورت حال میں حسب ذیل امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

i فکری یک جہتی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ جدید مسائل کی نوعیت اور وسعت کے پیشِ نظر اجتہاد ایک فرد کے بس کی بات نہیں۔ اب اجتماعی اجتہاد کے لیے ادارے تشکیل دیے جائیں جن میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء' اسکالرز اور اہل دانش شامل ہوں۔ یہ ادارے مجالس قانون ساز کا باقاعدہ حصہ ہوں جہاں دوسرے ماہرین کے ساتھ انہیں بھی قانون سازی میں برابری کا حق ہو۔ بقول علامہ اقبال ''علماء کو مجالسِ قانون ساز کا لازمی حصہ ہونا چاہیے تاکہ وہ قانون سازی کے عمل میں رہنمائی اور مدد مہیا کر سکیں۔'' (۲۵)

ii ایک ایسی جدید اسلامی فلاحی ریاست کا قیام لازمی ہے جس کا ماڈل آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین نے پیش کیا۔ ہمیں ان ابہامات کو بھی دور کرنا ہے جو اسلام سے متعلق غیر مسلموں کے حقوق' خواتین کے حقوق' اقلیتوں کے حقوق' تشدد پسندی' دہشت گردی' تکفیر اور فرقہ واریت کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔

iii اخلاقی اور روحانی اقدار روبہ زوال ہیں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ مغرب بھی اخلاقی اور روحانی انتشار میں مبتلا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اخلاقی اور روحانی زوال ہی عصرِ حاضر کا سب سے خطرناک اور تباہ کن مسئلہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مکی دور میں سب سے زیادہ توجہ فرد کی ذاتی اصلاح' اخلاق و اعمال کی درستگی اور تزکیہ و تربیت پر مبذول فرمائی۔ اس اخلاقی انقلاب کی بنیاد خوفِ خدا' عقیدہ آخرت اور وحدانیت کی بالیدگی پر رکھی گئی تھی۔

iv اکیسویں صدی کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں اپنے سماجی و ثقافتی مسائل سے بھی نبرد آزما ہونا ہے جن میں خاندانی نظام کی شکست و ریخت' عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار لسانی اور گروہی اختلافات قوم پرستی' مادہ پرستی اور مغرب کے مرعوبیت اور محاذ آرائی سرِ فہرست ہیں۔ ان مقاصد کے لیے بھی سیرت النبیؐ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے جس نے لوگوں کو ایمانی قوت سے مالا مال کر کے باہمی ہمدردی' ایثار و قربانی' شجاعت و حمیت' صبر و

استقامت، عفوودرگزر، حلم وبردباری، رواداری اور وسعتِ نظر جیسے اوصاف سے متصف کیا۔

v اسلامی ممالک کو اپنی اقتصادی صورت حال پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کو ختم کرنا ہے سود کے مسئلے سے گلوخلاصی کرانی ہے۔ اسلامی ممالک کو باہمی اقتصادی روابط کو فروغ دینا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں پیشِ رفت کو مزید تیز کرنا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ سیرت النبیؐ کی روشنی میں ایمان اور اخلاقیات کا دامن بھی تھامے رکھنا ہے۔

vi اسلامی ریاستوں کو اپنے داخلی سیاسی مسائل کے حل کے لیے اور داخلی امن وامان کے قیام کے لیے بھی سیرت طیبہؐ پر عمل پیرا ہونا ہوگا جس میں دو چیزیں بڑی واضح ہیں:

الف: بے لاگ عدل وانصاف اور عدلیہ کی بالادستی

ب: اداروں کے استحکام اور اصلاح کے لیے احتساب کے عمل کو جامع اور ہمہ گیر شکل دینی ہوگی۔ آنحضرتؐ اور خلفائے راشدین کا یہی طریقہ عمل تھا۔

vii اگرچہ عالم اسلام کے اتحاد کا کوئی عملی پروگرام ابھی سامنے نہیں آیا تاہم یہ رجحان بڑی تیزی سے اُبھر رہا ہے کہ امت مسلمہ اپنے تمام اختلافات وسائل کو پسِ پشت ڈال کر باہمی تعاون کا راستہ اختیار کرے۔ (۲۶) اس اتحاد کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں ایک ایسی جنت ارضی قائم ہو جس میں ساری دنیا کے انسان مکمل اطمینان اور سکون سے رہ سکیں (اقبال) اس مقصد کے لیے بھی سیرتِ طیبہ ہماری راہنما ہے۔

viii عالم اسلام کو درپیش خارجی مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہر اسلامی ریاست کو اپنی مدافعت اور حفاظت کے لیے خودکفیل ہونا ضروری ہے۔

ix آنے والے سالوں میں مذہب کے احیاء کے عالمی رجحان کے باوجود ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ قوم پرستی اور سیکولرازم زیادہ مضبوط ہو سکتے ہیں۔ لہذا ہمیں عصری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے سیاسی مسائل حل کرنے چاہئے تاکہ غیر مسلم ممالک میں اقلیتیں بھی محفوظ رہ سکیں۔

x ہمیں آنحضرتؐ کے طریقہ کار کی وسعتِ نظر کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے جو اسلامی ریاست مدینہ کے آغاز میں آپ نے اختیار فرمائی۔ سب کو اپنے دین پر قائم رہنے کی اجازت دی گئی۔ آج بھی اسی قسم کے معاہدات غیر مسلمہ ریاستوں سے کیے جا سکتے ہیں۔ انتہاء پسندی' محاذ آرائی اور منفی رجحانات کی بجائے مفاہمت اور اچھے تعلقات سیرۃ النبیؐ سے زیادہ قریب ہیں۔

xi آخری بات جو سیرت طیبہ اور عصری مسائل کے حوالے سے بہت اہم ہے' وہ بازگشت ہے جو مغرب میں ''تہذیبوں کے تصادم کے حوالے سے زیرِ بحث ہے مغرب کے مفکرین یہ کہہ رہے ہیں کہ آئندہ تصادم تہذیبوں کے درمیان ہوگا۔ اور اب کمیونزم کے خاتمے کے بعد ہماری اصل حریف اسلامی طاقتیں ہیں۔ (۲۷) اسلام مغربی تہذیب کے لیے خطرہ ہے اور اس خطرہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ مغربی مفکرین ابھی اس پر متفق نہیں ہوئے لیکن اس کے لیے متعدد طریقے وضع کیے جا رہے ہیں۔ (۲۸)

اس خطرے سے ہمیں کیسے نمٹنا ہے۔ ظاہر ہے یہ بات عام مسلمانوں کے سوچنے کی نہیں بلکہ مسلمان مفکرین اسلامی ممالک میں اسلامی تحریکوں کے قائدین اور مسلمان ریاستوں کے سربراہوں کو وہ لائحہ عمل وضع کرنا ہوگا۔ جس سے تصادم کا خطرہ ٹل جائے۔ یقیناً ہمیں اپنے افکار و کردار پر بھی نظر ثانی کرنی ہوگی۔ مفاہمت اور مذاکرات کے دروازے بھی کھولنے ہوں گے اور مغرب کو بھی اس بات پر آمادہ کرنا ہوگا کہ وہ بھی اپنے دوہرے معیار اور منفی پروپیگنڈے سے باز آ جائے کیونکہ تمام معاشی' سماجی' تعلیمی اور ثقافتی معاملات میں باہمی تعاون ہی سے ترقی خوشحالی اور امن ممکن ہے۔

سیرۃ النبیؐ تمام دنیا کے انسانوں کے لیے امن واخوت عدل وانصاف' افہام وتفہیم اور صلح وآشتی کی نوید ہے۔ بس ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنی خواہشاتِ نفس کو ترک کر کے اس نظامِ حیات کے پیروکار بن جائیں جس کی روشنی سے چراغ مصطفوی نے عرب وعجم کے تاریک ایوانوں کو منور کر دیا۔

آپؐ کا ارشاد ہے'' خدا کی قسم! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ

اپنی خواہشات کو میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ کرے۔" (۲۹)

درپیش چیلنج اور ان کا حل

ان حالات میں اُمتِ مسلمہ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ سرکارِ دو جہاں، رحمت کون و مکان اور آپؐ کے پیروکاروں کی سیرت کا ورق ورق دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دے اور دنیا خود دیکھ لے کہ اسلام اور اسلام کی حقیقی تعلیمات کیا ہیں۔

علم و تحقیق:

اسلام، علم کے زیور سے آراستہ معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ اسلام علم حاصل کرنے اور رموزِ کائنات کا کھوج لگانے پر جتنا زور دیتا ہے، کوئی اور مذہب اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ اسلامی معاشرے میں جاہلوں اور بے علم لوگوں کو ہرگز وہ مقام نہیں مل سکتا جو صاحبِ علم لوگوں کو حاصل ہوا کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تجھے اس حال میں صبح کرنی چاہئے کہ تو عالم ہو، متعلم ہو، علم سننے والا اور علم سے محبت رکھنے والا ہو، اگر کوئی پانچویں صورت اختیار کی تو (یاد رکھ) ہلاک ہو جائے گا۔ (۳۰)

آپؐ نے علم کو ان امور میں شامل کیا ہے جن پر رشک کیا جا سکتا ہے آپؐ ہمیشہ دعا فرماتے:

"میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔" (طٰہٰ ۲۰:۱۱۴)

اس طرح آپؐ نے ایسا معاشرہ تشکیل دیا جو دلوں سے جہالت کے اندھیرے نکال کر ان کی جگہ علم کی شمعیں جلا دیتا ہے۔

حقوقِ نسواں:

آج مغرب الزام دیتا ہے کہ اسلام عورتوں کے معاملے میں انصاف نہیں کرتا۔ اُسے خبر ہی نہیں کہ اس دین کے نام لیواؤں کا خدا تو انہیں حکم دیتا ہے: "عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردو کے حقوق ان پر ہیں۔" (البقرۃ ۲:۲۲۸) "اور ان کے ساتھ اچھی طرح رہو سہو"۔ (النسآء ۴:۱۹) "مردوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں۔" (النسآء ۴:۳۲) ان کا نبیؐ اُن سے کہتا ہے: "عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو" (۳۱) اسلام نے تعلیم کو کبھی ایک طبقے تک محدود نہیں رکھا۔ خواتین نے جب آپؐ سے تعلیم کے لیے ملنے کی درخواست

کی تو آپؐ نے ان کے لیے علیحدہ وقت مقرر کر دیا اور الگ جگہ کا تعین فرما دیا۔(۳۲)

اسلام خواتین کے بارے کہیں رکاوٹ نہیں ڈالتا۔ انہیں برابری کا حق دے کر ان کی پوری حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ہاں، اپنی تعلیمات کی روشنی میں اتنا ضرور تجویز کرتا ہے :۱- اسلامی نظامِ تعلیم میں لڑکیوں کے لیے تعلیم کا انتظام الگ ہونا چاہئے۔۲-ان کے لیے نصابِ تعلیم الگ ہونا چاہئے کیوں کہ ان کی عملی زندگی مردوں سے مختلف ہوتی ہے۔(۳۳)

اب اگر ان اصولوں کو سامنے رکھ کر اسلامی معاشرہ خواتین کو حصولِ علم کا ہر موقع فراہم کرتا ہے اور انہیں پورا تحفظ فراہم کرتا ہے تو اس کی 'روشن خیالی' میں کہاں کمی رہ جاتی ہے۔ البتہ یورپ اگر اہلِ ایمان کی قندیلِ ایمانی کو بے حیائی اور فحاشی کی تعلیم سے مدھم کرنا چاہتا ہے تو یہ اس کی خام خیالی ہے:

دِیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

عصبیت سے مبرّا:

غیر مسلموں کے پروپیگنڈے کے برعکس قرآنِ مجید کی تعلیمات اور ارشاداتِ نبی کریمؐ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ہمیشہ تعصب کی مذمت کی ہے اور معاشرے کو ہمیشہ اس برائی سے پاک رکھنے کی سعی کی ہے۔

اس قوم کی نفرت جس نے تم کو کعبے سے روکا تھا تم کو ادھر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرو۔'' (المائدۃ ۵:۷)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم ہرنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔(المائدۃ ۵:۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کی فتح کے بعد جو معاہدہ لکھوایا اس کے الفاظ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا: یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المؤمنین عمر ب نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذاہب والوں کے

لیے ہے۔ اس طرح کہ نہ ان کے گرجوں میں سکونت کی جائے گی' نہ وہ ڈھائے جائیں گے' نہ اُن کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا' نہ ان کے مالوں میں کمی کی جائے گی اور مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔

حکمرانِ امویہ' عباسیہ' اندلسیہ و فاطمیہ کے عہدِ حکومت میں اقوامِ غیر کا صدیوں تک آباد رہنا مسلمانوں کی بے تعصبی کی روشن دلیل ہے۔ اورنگزیب عالم گیر کو متعصب قرار دیا جاتا ہے لیکن اس کے دربار میں ہندو امراء کی فہرست اکبر کے دربار سے زیادہ لمبی ہے۔ سیاستِ حاضرہ کے ماہر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ بے تعصبی اور رواداری ہی ان کے زوال کا سبب بنی۔ ایک سیر چشم مسلمان یہ اعتراض تو تسلیم کر سکتا ہے لیکن یہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ اسلام میں تعصب ہے۔ (۳۴)

بہترین مدنیت:

اسلام اعلیٰ ترین مدنیت کا حامل معاشرہ فراہم کرتا ہے وہ کہیں بھی انسان کو رہبانیت کا درس نہیں دیتا۔ ﴿ورهبانية ۔ ابتدعوها﴾ (الحدید ۵۷:۲۷) یعنی ترکِ تمدن بدعت ہے۔

اسلام نسان کی خودی کی تعمیر کر کے اسے ایسا روشن خیال بنا دیتا ہے جس کی دنیا اور دین کے درمیان فاصلے ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ اسے معاشرے کا ایسا فرد بنا دیتا ہے جس کی زندگی کا کوئی پہلو کمزور نہیں رہتا۔ وہ اسے اپنے خالق کا سچا بندہ' والدین کا سعادت مند بیٹا' رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے والا' تمدن کا پورا محافظ' فرماں بردار' راست گو' امانت دار' صلح پسند' فساد کا دشمن اور نسلِ انسانی کا دوست بنا دیتا ہے...... اور پھر ایسے افراد مل کر جو معاشرہ تشکیل دیتے ہیں تو اس میں اعلیٰ ترین مدنیت از خود ہر طرف سے جھلکتی نظر آتی ہے۔

مساواتِ انسانی کا بہترین نمونہ:

اسلام مساواتِ انسانی کا ایسا علم بردار معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں ہر شہری کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جن کا وہ حق دار ہوتا ہے۔ اسلام اس اصول کی پوری پاس داری کرتا ہے۔ اعلیٰ تر تہذیب و تمدن کا دعوے دار یورپ' تمام دعووں کے باوجود عملاً ایسا نہیں کرتا۔ برطانیہ کی سلطنت میں اسکاٹ لینڈ' آئر لینڈ اور ویلز' سب شامل ہیں۔

لیکن ان کا کوئی باشندہ آج تک برطانیہ کا وزیرِ اعظم نہیں بن سکا۔ کوئی کیتھولک اس عہدے تک نہیں پہنچ سکتا۔ دوسری طرف تاریخِ اسلام شہادت دیتی ہے کہ یہاں ایک غلام کا بیٹا بھی دربارِ رسالتؐ سے فوجوں کی سپہ سالاری کا عہدہ پا سکتا ہے۔ ایک زرخرید غلام کے بیٹے کا نکاح سید البشرؐ کی پھوپھی زاد بہن سے ہوسکتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ اپنے غلام کو مارتے ہیں۔ رسولِ خدا موقع پر پہنچ کر فرماتے ہیں: 'جو قدرت اس غلام پر تجھے حاصل ہے اس سے زیادہ اللہ کو تجھ پر حاصل ہے۔'' ابوذرؓ زمین پر گر پڑتے ہیں اور غلام سے کہتے ہیں: اپنا پاؤں میرے رُخسار پر رکھ دے کہ میری نخوت نکل جائے۔ عدالت میں ایک یہودی اور حضرت علیؓ کو برابر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ حضورِ اقدسؐ حجۃ الوداع کے موقع پر کیا عظیم منشورِ انسانی پیش کرتے ہیں۔ فرمایا: لوگو! خبردار رہو۔ تم سب کا خدا ایک ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ (۳۵)

حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ تعلیمات تھیں جن پر چل کر مسلمانوں نے عملاً ایک عالم گیر اور روشن خیال معاشرہ قائم کر کے دکھا دیا اور دنیا کو ماننا پڑا کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو ہر نسل کے لوگ اکٹھے کر کے محض ایک عقیدے کی بنا پر انہیں ایک اُمت بنا سکتا ہے۔

آج زمانہ گواہی دے رہا ہے کہ انسان کے اپنے تخلیق کردہ نظریات دنیا کو فساد کے سوا کچھ نہیں دے سکے۔ گذشتہ چند صدیوں میں دنیا نے بے شمار نظاموں اور ازموں کو آزما کر دیکھ لیا ہے۔ انسان پریشان سے پریشان ہوتا جا رہا ہے۔ آج پھر مجبوراً اسے اسلام ہی وہ واحد سہارا دکھائی دیتا ہے جو اس کی مشکلات اور اس کے مصائب میں اس کی دستگیری کر سکتا ہے اور اسے سُکھ اور چین فراہم کر سکتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلام ہی وہ واحد چراغ ہے جو دنیا کے اندھیروں کو روشنیوں میں بدل سکتا ہے تو اس چراغ کی لَو بڑھانے کا طریضہ کون انجام دے؟

اس سوال کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ اس چراغ کو جلائے رکھنے کا کام وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں جو اس چراغ کے علم بردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، جو اپنے آپ کو انبیاء کا وارث تصور کرتے

ہیں جن سے ان کے نبی برحقؐ نے اپنے تکمیلِ مشن پر پوچھا تھا: کیا میں نے بات پہنچا دی؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں یارسول اللہ ﷺ! تو پھر ان کے ہادیؐ نے انہیں حکم دیا تھا: جو موجود ہے وہ ان لوگوں تک میری یہ بات پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں۔

اب اگر اُمتِ مسلمہ حقیقت اور انصاف کی نظر سے دیکھے تو عصرِ حاضر کا سب سے بڑا چیلنج اسے اور صرف اُسے درپیش ہے۔ اسے اپنے رب اور اپنے نبیؐ سے کیے گئے وعدوں پر پورا اُترنے کا ایک سنہری موقع نصیب ہو رہا ہے۔ اب تساہل سے کام لینے کی کوئی گنجائش نہیں اسے اپنا کڑا احتساب کرنا ہوگا۔

چند ناگزیر تقاضے

ان حالات میں اب اس امتِ خیر پر لازم ہے:

منتشر صفوں کی درستگی:

انتشار کے نتیجے میں اس نے آج تک بڑے نقصان اُٹھائے ہیں۔ آج دنیا میں ۵۰ سے زیادہ اسلامی ملکتیں موجود ہیں۔ یہ تمام بے پناہ قدرتی وسائل اور خزانوں سے معمور ہیں لیکن کتنے دُکھ کی بات ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح معنوں میں آزاد مملکت ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ان میں سے کوئی مجبور ہے تو کوئی معذور۔ ان کے درمیان اتحاد و اتفاق نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ غیر مسلم آقاؤں کی خوشنودی میں ایک دوسرے کی سلامتی سے بھی کھیل جانے سے گریز نہیں کیا جاتا۔

جدید دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر اب عالمِ اسلام پر لازم ہو گیا ہے کہ:

- اسلامی ممالک کی تنظیم (O.I.C) کو ایک مضبوط اور فعال ادارہ بنایا جائے۔
- اسلامی ملاک کا ایک مشترکہ فنڈ قائم کیا جائے اور اس فنڈ سے غریب مسلم ممالک کی ترقی کے لیے ہر شعبے میں ان کی امداد کی جائے۔
- اسلامی ممالک کی تنظیم کے تحت ایک مشترکہ اسلامی فوج قائم کی جائے تاکہ ہر جارحیت کا متحد ہو کر بروقت سدِّ باب کیا جا سکے۔

● تمام اسلامی ممالک متحد ہو کر جدید سائنسی تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کریں اور اس سلسلے میں کثیر تعداد میں طلبہ' اساتذہ اور ماہرین کے باہمی تبادلے سے ترقی کے میدان میں آگے بڑھنے کی مشترکہ سعی کریں۔

● جدید سائنسی علوم کے حصول کی کوششوں کے ساتھ دینی اور شرعی علوم کے حصول کا حکومتی اور اسلامی ممالک کی تنظیم کی سطح پر متحدہ اور مشترکہ انتظام کیا جائے۔ ماضی قریب میں غیر ملکی تسلط نے بڑے منظم طریقے سے مسلمانوں کو ان کے مذہبی علوم سے دُور رکھنے کی کوشش کی ہے اور مسلمانوں نے مجرمانہ حد تک ان کے ساتھ تعاون کیا ہے۔ آج مسلمان اپنے دینی علوم حاصل کرنے میں شرم محسوس کرتا ہے؟

● ہر حکومت عوام میں پائی جانے والی نفرتوں کو دُور کرنے کے لیے سرکاری سطح پر:

......لاؤڈ اسپیکر کے بے جا استعمال کو سختی سے روکے۔

......مناظرہ بازی کے رواج کا سختی سے سدّ باب کرے (مناظرہ بازی کے چسکے نے ہمیں رسوائیوں کے سوا کچھ نہیں دیا۔)

......منافرت اور انتشار پھیلانے والے لٹریچر پر کڑی پابندیاں عائد کرے۔

......مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلم عوام کے اندر تہذیبی شعور (civic sense) بیدار کرنے کا خصوصی اہتمام کرے تاکہ ہر گھر کے اندر اور باہر طہارت' جو ایمان کی ایک بنیادی شرط ہے' پوری ہوتی نظر آئے۔

حقوقِ انسانی کا اسلامی تصور اُجاگر کرنا:

آج امتِ مسلمہ پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ اسلامی' معاشرتی اور انسانی صفات کا عملی مظاہرہ کرے اور حقوقِ انسانی کے تحفظ کا وہ نمونہ پیش کرے جو اس کے اسلاف نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ عفو و درگزر' صبر و استقلال اور عدل و انصاف کے ذریعے وہ معاشرہ تشکیل دے جس کی مثال سرکارِ دو جہاںؐ اور آپؐ کے صحابہؓ نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی۔

اسلام کی روحانی اقدار کو اُجاگر کرنا:

اسلام نے روحانیت کی تعلیم کو 'الاحسان' کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ اسلام میں عبادات کا مقصد ہی انسان کو روحانی تسکین فراہم کرنا اور اسے اپنے اللہ کے قریب تر لے جانا ہے۔

دل کی اصلاح بدن کی اصلاح کی ضامن ہو سکتی ہے۔ آج انسان کے دل اور بدن میں کوئی ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔ اس ہم آہنگی کا واحد ذریعہ اللہ کا ذکر اور صحیح معنوں میں عبادات کی بجا آوری ہے۔ اس سلسلے میں قرآن اور سیرت کا مطالعہ حد درجہ معاون ثابت ہو سکتا ہے لیکن کاش اُمتِ مسلمہ اس کا احساس کرے۔ آج ہم قرآن اور سیرت کے مطالعے کی دعوت دیتے ہوئے کیوں شرما جاتے ہیں؟ ہمیں قرآن وسنت کے مطالعہ کی اہمیت کا کیوں احساس نہیں ہوتا۔؟

مذاہب کے درمیان مشترکہ اخلاقی اقدار کو اُجاگر کرنا:

آج اُمتِ مسلمہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان اعلیٰ اخلاقی اقدار کو مل جل کر فروغ دے، جو اسلاف سے اس نے میراث میں پائی تھیں اور جنہیں اب وہ کافی حد تک گنوا بیٹھی ہے اور جو تمام آسمانی مذاہب میں مشترک ہیں، صداقت، امانت، دیانت، ایفائے عہد، انصاف، باہمی محبت وشفقت اور تعظیم کی صفات نہ صرف اس کے اندر پیدا ہو جائیں بلکہ ان کے فروغ کے لیے ہر مسلمان انفرادی سطح پر بھی ان کا عملی نمونہ بن جائے۔ ہر مومن ان اوصافِ حمیدہ کا اس طرح مظاہرہ کرے کہ دوسروں کے دلوں میں اس کے خلاف بھری کدورت نہ صرف نکل جائے بلکہ وہ از خود اس طرف کھچے چلے آئیں۔

ہر مسلمان دین کا سچا داعی بن جائے:

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مومن کا جسم اور روح دونوں صحیح معنوں میں سیرتِ مصطفیٰ کی پیروی میں لگ جائیں۔ وہ خدا کے سچے دین کا سچا داعی بن جائے۔ وہ ہدایت کا ایسا چراغ بن جائے جو جہاں بھی جائے، اس کے ارد گرد کا ماحول اس کے کردار اور اس کے پاکیزہ اخلاق کی کرنوں سے جگمگانے لگے۔ اس کے لباس، خوراک، رہن سہن، بود و باش، بول چال اور معاملات سے وہی خوشبو آئے جو آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کی سیرت سے آیا کرتی تھی۔ وہ حق کا پیغام گھر گھر پہنچانے پر کمر بستہ ہو جائے۔ وہ اپنے اللہ کا فرمان اور پیغمبر کی آواز بن جائے۔ اسے اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہو اور اس پر نظر پڑے تو خدا یاد آ جائے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا

آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

هذا ما عندی وصلّی اللّٰه علی النّبی و آله وسلّم

مصادر و حوالہ جات

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۲۳۲، ص ۷۰۲، موسوعۃ الحدیث، دارالسلام، سعودی عرب، ۲۰۰۰ء۔

۲۔ ابن ماجہ، مقدمہ نمبر ۱۸، باب فضل العلماء، ص ۲۴۹۰، موسوعۃ الحدیث، دارالسلام، سعودی عرب، ۲۰۰۰ء۔

۳۔ الترمذی، کتاب المناقب، باب ۸۳، ص ۲۰۵۴، موسوعۃ الحدیث، دارالسلام، سعودی عرب، ۲۰۰۰ء۔

۴۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب التفاخر فی الاحساب، ص ۱۵۹۸، موسوعۃ الحدیث، دارالسلام، سعودی عرب، ۲۰۰۰ء

۵۔ صحیح مسلم، کتاب البر، حدیث رقم ۳۲، ص ۱۱۲۷، موسوعۃ الحدیث، دارالسلام، سعودی عرب، ۲۰۰۰ء۔

۶۔ ابن ماجہ، کتاب السنۃ (مقدمہ) باب ۱۷، فضل العلماء، ص ۲۴۹۱، دارالسلام، سعودی عرب، ۲۰۰۰ء۔

۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۸۔ المعارف (لاہور)، اپریل، جون، ۱۹۹۴ء۔

۹۔ کنز العمال، الفصل الثالث فی انواع الکسب

۱۰۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ۶۹ ص ۱۶۸۔

۱۱۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ۲، ص ۱۶۰۔ ۱۲۔ شبلی نعمانی، الفاروق، ۲/۲۵۹۔

۱۳۔ محمد ایوب قادری، اسلام کا نظام اقتصاد، مطبوعہ نقوش انمول نمبر، ۹/۳۵۸۔

۱۴۔ ڈاکٹر منظور احمد، مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار، ص ۱۲۸۔

۱۵۔ الطاف جاوید، جدید اسلامی ریاست، اکیسویں صدی کے تناظر میں، مطبوعہ المعارف لاہور،

جنوری، مارچ، ۱۹۹۵ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

۱۶۔ خلیفہ عبدالحکیم، اسلام کا نظریہ حیات، ص ۲۹۵۔

۱۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱۲۹/۳۔

۱۸۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ۲۵، علامات النبوۃ، ص ۲۹۰۔

۱۹۔ سید محمد عبداللہ، عصر حاضر کے نام سیرت نبوی کا پیغام، ص ۷، مطبوعہ ماہنامہ 'فکرونظر'

اگست ۱۹۸۱ء، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد۔

۲۰۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الاول، ص ۳۴، طبع کراتشی، پاکستان، ص ۴۱۔

۲۱۔ خلیفہ عبدالحکیم، اسلام کا نظریہ حیات، ص ۴۶۲۔

۲۲۔ قاضی حسین احمد، اسلامی تحریکیں خدشات اور امکانات، ص ۶۱، مطبوعہ ترجمان القرآن،

اکتوبر ۱۹۹۸۔

۲۳۔ ڈاکٹر منظور احمد، مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار، ص ۹۱۱

۲۴۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ص ۴۳۸۔

۲۵۔ علامہ اقبال، The construction۔

۲۶۔ مشترکہ اعلامیہ، تہران اسلامی کانفرنس، منعقدہ ۹-۱۱ جولائی، ۱۹۹۸ء۔

۲۷۔ دیکھیے پروفیسر سموئیل کا مضمون "Clash of civilization of conflict"۔

۲۸۔ عبدالرشید صدیقی، تحریک اسلامی اور اس کے عالمی اثرات، ص ۳۷،

مطبوعہ ترجمان القرآن، ۲۰۰۰ء۔

۲۹۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب

والسنۃ، ص ۳۰، مطبعہ نور محمد کراچی، پاکستان۔

۳۰۔ مجمع الزوائد، ۱۲۲/۱ ۳۱۔ صحیح مسلم، ۳۹/۱ ۳۲۔ مسند احمد، ۸۰/۱۳

۳۳۔ خالد علوی، انسان کامل، ص ۱۸۹، الفیصل ناشران، لاہور، ۱۹۹۷ء۔

۳۴۔ رحمۃ للعالمین، ۳۷۴/۳-۳۷۵، غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ ۳۵۔ رحمۃ للعالمین، ۸۷/۳-۸۹۔